# مولانا فضل حق خیرآبادی کا دورِ ملازمت رام پور

ڈاکٹر محسنہ نقوی ☆

انگریزوں کے برسراقتدار آتے ہی شمالی ہند میں قاضی القضاء اور اس سے ملتے جلتے دوسرے مناصب پر مقامی اہل علم کا تقرر کیا جانے لگا۔ پہلا خاندان قاضی نجم الدولہ نجم الدین کاکوروی کا ہے جو کلکتہ میں پہلے قاضی مقرر ہوئے۔ دوسرا خاندان مولانا فضل امام خیرآبادی کا ہے۔ مولانا فضل حق اسی دوسرے خاندان کے رکن تھے اور کئی برس سے دہلی کی سرکاری ملازمتیں ترک کر کے اودھ، رام پور لکھنؤ، الور وغیرہ دیسی ریاستوں میں ملازمتیں کرتے رہے۔

مولانا فضل حق کا پہلا تقرر دہلی میں ہوا تھا۔ وہ سررشتہ دار عدالت دیوانی تھے جو ریذیڈنسی دہلی کے ماتحت تھی۔ مرزا غالب کا حوالہ بھی اس سلسلے میں ملتا ہے جس کا ذکر یہاں غیرضروری ہے۔ دہلی سے ترکِ ملازمت کر کے وہ جھجر کے نواب فیض محمد خان کے ہاں پہنچے اور ملازمت اختیار کی۔ بعد ازاں سہارن پور، ٹونک اور پھر رام پور میں آئے۔ رام پور میں انہوں نے دو بار ملازمت کی۔

## (بار اوّل)

مولانا فضل حق خیرآبادی، نواب محمد سعید خاں کے سریر آرائے حکومت ہونے کے بعد رام پور تشریف لائے۔ نواب محمد سعید خاں ۲۰/اگست ۱۸۴۰ء کو تخت نشین ہوئے۔ انہوں نے انتظام ریاست سنبھالنے کے بعد بعض تجربہ کار اہل کار بلائے۔ علماء و فضلاء کی قدردانی فرمائی۔ نامور علماء ان کے دور میں رام پور پہنچے۔ بشیر حسین زیدی سابق چیف منسٹر رام پور لکھتے ہیں:[۱]

> ''انتظامی امور سے فارغ ہو کر نواب جنت آرام گاہ (نواب محمد سعید خاں) نے سرپرستی علم و ادب کی طرف قدم اٹھایا۔ مولانا فضل حق خیرآبادی اور دیگر علماء و ادباء مختلف کتابوں کے ترجمہ و تالیف پر مامور ہوئے''۔

اندازہ ایسا ہوتا ہے کہ ۱۸۴۰ء ہی میں مولانا فضل حق رام پور آگئے تھے کیونکہ منشی امیر احمد مینائی

---

☆ شعبہ اُردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

نے مولانا کے رام پور کے قیام کی مدت آٹھ سال لکھی ہے۔(۲) مولانا خیرآبادی ۱۸۴۷ء میں لکھنؤ جا چکے تھے۔ لہذا مولانا کا قیام رام پور ۱۸۴۰ء تا ۱۸۴۷ء قرار پاتا ہے۔

مؤلف ''تذکرہ کاملان رام پور'' اس سلسلے میں ایک دلچسپ بات لکھتے ہیں:(۳)

''(مولوی نصیرالدین خاں رام پوری) کے مرض موت میں نواب جنت آرام گاہ (محمد سعید خاں) نے مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی کو بلایا۔ آپ (مولوی نصیر الدین خاں) کے ایک دوست مولوی جلال الدین آپ کے ہمسایہ تھے۔ ان سے کہا کہ اگر صحت ہو گئی تو میں ان سے گفتگو کروں گا مگر تم ان سے ہرگز گفتگو نہ کرنا اس لئے کہ وہ نہایت زبردست معقولی ہیں۔ مولوی فضل حق صاحب جس وقت رام پور پہنچے تو آپ کا انتقال ہو چکا تھا،(۴) مولوی فضل حق صاحب آپ کے مکان پر فاتحہ خوانی کو آئے اور بہت افسوس سے کہتے تھے کہ میرا آنا نواب صاحب کے حکم سے ہوا ہے مگر زیادہ تر شوق یہاں آنے کا مولوی صاحب مرحوم (مولوی نصیرالدین خاں) کی ملاقات کے لئے تھا۔''

مؤلف ''تذکرہ کاملان رام پور'' لکھتے ہیں:(۵)

''نواب محمد سعید خاں بہادر جنت آرام گاہ نے جناب نواب یوسف علی خاں، صاحب بہادر فردوس مکاں کی تعلیم کے واسطے بسفارش عبدالرحمٰن خان، مولوی جلال الدین نابینا اور مولوی عبدالعلی خاں ریاضی داں اور مولوی محمد رام پوری کو مقرر فرمایا۔ ہر صاحب اپنے اپنے وقت پر حمد اللہ کے متعلق مختلف تقریریں کیا کرتے تھے۔ فردوس مکاں (نواب یوسف علی خاں) کی تسکین خاطر ان تینوں علماء کے بیان سے نہ ہوئی تو مولانا فضل حق دہلی سے بلائے گئے اور مولانا نے تعلیم شروع کرائی۔''

حافظ احمد علی خاں شوق نے مولوی عبدالعزیز کے حالات میں لکھا ہے:(۶)

''نواب فردوس مکاں (نواب یوسف علی خاں) نے مولوی فضل حق خیرآبادی سے یہ شرط رکھی تھی کہ کتاب کی عبارت ہم نہیں پڑھیں گے۔ قرأت کتاب پر مولوی عبدالعزیز خاں کا تقرر ہوا۔''

مولانا فضل حق کے سپرد(۷) نواب محمد سعید خاں کے صاحبزادگان: (۱) نواب محمد یوسف علی خاں ولی عہد (ف ۱۲۸۱ھ)، (۲) محمد کاظم علی خاں (ف ۱۸۸۱ء/۱۲۹۹ھ) ہوئے اور ان دونوں بھائیوں نے استفادہ کیا۔ حکیم نجم الغنی خاں رام پوری لکھتے ہیں:(۸)

''نواب یوسف علی خاں علوم کی طرف بہت رغبت رکھتے تھے۔ کاملوں سے صحبت رہتی تھی۔ علوم عقلیہ منطق و حکمت میں اعلیٰ دستگاہ تھی اور ان علوم کو مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی سے حاصل کیا تھا۔''

جب نواب محمد یوسف علی خاں اور صاحبزادہ محمد کاظم علی خاں ریاست کے کاموں میں مشغول رہنے لگے تو نواب محمد کلب علی خاں ابن نواب محمد یوسف علی خاں (ف۱۸۷۷ء) اور صاحبزادہ فدا علی خاں ابن محمد کاظم علی خاں کی تعلیم کا سلسلہ مولانا فضل حق سے متعلق ہوگیا۔ مرزا نصیر الدین رام پوری (ف۱۹۰۹ء) اپنی خود نوشت میں لکھتے ہیں:(۹)

''اس زمانے میں مولوی عبدالحق خلف مولوی فضل حق و مولوی سلطان حسن خاں(۱۰) ابن مولوی احمد حسن خاں رئیس بریلی و صدر الصدور، نواب محمد کلب علی خاں کے ہم مکتب تھے۔''

شروع شروع میں اصل خدمت نواب صاحب کی مصاحبت تھی اور تین سو روپیہ ماہانہ ملتے تھے جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں:(۱۱)

''اگرچہ در سرکار نواب صاحب بہادر کارے بمن متعلق نیست کہ خدمت بمن متعلق است آنرا بجز مصاحبت بنامی دیگر نتواں نامید۔ نواب صاحب بہادر بمقتضائے قدردانی سہ صد روپیہ ماہیانہ لطف می فرمایند۔''

(اگرچہ نواب صاحب کی سرکار میں کوئی کام مجھ سے متعلق نہیں ہے اور جس خدمت پر میں مامور ہوں اس کو مصاحبت کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ نواب صاحب بہادر از راہ قدردانی تین سو روپیہ ماہانہ مرحمت فرماتے ہیں۔''

نواب محمد سعید خاں نے مولانا فضل حق کو محکمہ نظامت اور مرافعہ عدالتوں پر مقرر کیا۔ حکیم نجم الغنی خاں رام پوری لکھتے ہیں:(۱۲)

''مولوی فضل حق صاحب فاروقی خیرآبادی ابن مولانا فضل امام صاحب کو آپ نے بلا کر نوکر رکھا۔ محکمہ نظامت اور پھر مرافعہ عدالتوں(۱۳) پر مامور کیا۔ مولوی صاحب نے ہدیۂ سعیدیہ فی حکمۃ الطبیعہ زبان عربی کو نواب صاحب کے نام نامی پر معنون کیا۔''

منشی امیر احمد مینائی رقمطراز ہیں:(۱۴)

''اس دارالریاست (رام پور) میں پہلے محکمہ نظامت اور پھر مرافعہ عدالتوں پر مامور تھے۔

جناب مستطاب نواب محمد یوسف علی خاں صاحب بہادر فردوس کو بھی آپ سے تلمذ رہا ہے اور بندگانِ حضور پر نور دام ملکہم و اقبالہم (نواب کلب علی خاں) نے بھی کچھ پڑھا ہے۔ آٹھ برس بہت اعزاز و اکرام کے ساتھ رہے۔ پھر یہاں سے تشریف لے گئے۔''

جب دیوانی اور فوجداری کی دونوں عدالتوں پر مولانا فضل حق کا تقرر ہوگیا تو کام کی زیادتی ہوگئی۔ چنانچہ مولانا لکھتے ہیں:(۱۵)

''دریں ولامحنت بسیار است کلکٹری کل الملک تفویض نواب حفیظ اللہ خاں صاحب برادر عینی کوچک نواب صاحب دام اقبالہ، بود از اوشاں بسبب ضعف تمشیت آں نشد آاں ہمہ مع پرمٹ تفویض بندہ شد۔ سہ ہزار شش صد مقدمہ کلکٹری زیر تجویز است و آمد ہرروز علاوہ آں است، حالا فرصت سرخاریدن نیست''۔

(یہاں محنت بہت ہے نواب صاحب کے حقیقی چھوٹے بھائی نواب حفیظ اللہ خاں کے سپرد تمام ریاست کی کلکٹری تھی۔ بیماری کی وجہ سے وہ اس کا انتظام نہ سنبھال سکے۔ وہ سب (کلکٹری) مع پرمٹ بندہ کے سپرد ہوئی۔ تین ہزار چھ سو کلکٹری کے مقدمے زیر تجویز ہیں اور روزانہ کی آمد (مقدمات) اس کے علاوہ ہے لہذا اب تو سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں ہے۔)

عدالتوں کی ذمہ داریوں کے ساتھ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی چلتا تھا بلکہ کبھی کبھی مولانا فضل حق روہیل کھنڈ کے کمشنر کے پاس بریلی بھی ریاست رام پور کے کام سے جاتے تھے کیونکہ وہ ریاست رام پور کے لئے ایجنٹ تھا۔ مولانا لکھتے ہیں:(۱۶)

''دریں جا فی الحال ہشت یا نہ سبق می شوند از چندے استماع مقدمات اپیل دیوانی و فوجداری و کلکٹری متعلق من کردہ اند و فرصت کم تر دست می دہد۔ نوشتن حاشیہ افق المبین موقوف است۔ دریں نزدیکی مرا صاحب کمشنر ایں اضلاع کہ ہم ایجنٹ گورنر است برائے کارے فرستادہ بودند۔''

(آج کل یہاں آٹھ یا نو سبق ہوتے ہیں۔ کچھ دنوں سے دیوانی، فوجداری اور کلکٹری کے مقدمات کی اپیلیں سننے کی ذمہ داری بھی مجھے سونپ دی گئی ہے۔ فرصت کم ملتی ہے۔ افق المبین پر حاشیہ لکھنے کا کام بھی اسی طرح پڑا ہے، حاشیہ لکھنا موقوف ہے۔ حال ہی میں مجھے اِن اضلاع (روہیل کھنڈ) کے کمشنر نے کہ جو گورنر کے نمائندے بھی ہیں کسی کام کے لئے بھیجا تھا)

رام پور میں مولانا فضل حق خیرآبادی اور دوسرے علماء سے مباحثات و مذاکرات بھی ہوتے تھے۔ مؤلف ''تذکرہ کاملانِ رام پور'' نے ایک لطیفہ نقل کیا ہے:(۱۷)

''(مولوی خلیل الرحمٰن سواتی نے نواب یوسف علی خاں) سے کہا کہ میں ہر چیز قرآن شریف سے نکالتا ہوں۔ یہ ذکر نواب صاحب نے مولوی فضل حق خیرآبادی سے کیا۔ انہوں نے فرمایا آپ ان سے فرما دیں کہ معجون فلاسفہ کے اجزاء تو قرآن سے نکال دیجئے۔ چنانچہ دوسری ملاقات میں یہی سوال کیا۔ مولوی خلیل الرحمٰن سخت پریشان ہوئے۔ ان کو بھی معلوم ہوگیا کہ یہ اشارہ مولوی فضل حق کا تھا۔ اس لئے ایک روز نواب صاحب کے سامنے مولوی فضل حق سے اصول میں گفتگو کرنے لگے۔ مولوی فضل حق کھینچ تان کر ان کو منطق میں پکڑ لائے اور بند کر دیا۔ اسی روز سے مولوی فضل حق نے کتب اصول کو دیکھنا شروع کیا۔''

مفتی شرف الدین رام پوری سے بھی نوک جھونک رہتی تھی۔ مولانا خود لکھتے ہیں:(۱۸)

''سہ بار بحضور ولی عہد بہادر گفتگو علمی با مفتی شرف الدین صاحب درمیان آمد مفتی صاحب درہرقرت تو اخذ را کار فرمودند درگفتگوئے آخر توبہ نصوح از گفتگو نمودند۔ ذہن جناب مفتی صاحب را با معقولات مناسبتے نیست و در منقولات ہم مداہنت بسیار است۔''

(ولی عہد بہادر (نواب یوسف علی خاں) کے حضور میں تین مرتبہ مفتی شرف الدین صاحب سے علمی گفتگو ہوئی۔ وہ ہر مرتبہ میں عاجز ہوئے اور آخری گفتگو میں تو انہوں نے گفتگو کرنے سے توبہ کر لی۔ جناب مفتی صاحب کے ذہن کو معقولات سے کوئی مناسبت نہیں ہے اور وہ منقولات میں بھی بہت چرب زبان ہیں۔''

مولوی عبدالجلیل نعمانی رام پوری بن شیخ عبدالحق اپنے ایک مضمون ''تذکرہ علمائے رام پور'' میں لکھتے ہیں:(۱۹)

''مولانا جلال الدین معقولی مرحوم استاد نواب خلد مکاں محمد یوسف علی خاں--- نہایت ذکی ہیں۔ مناظرہ میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ مولانا فضل حق فاضل خیرآبادی جو علوم معقولہ میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ ان سے ہمیشہ مناظرہ علمی نہایت لطف کے ساتھ ہوا کرتا تھا اور بڑے بڑے علماء مجلس مناظرہ میں حاضر رہتے۔''

ایک موقع پر مولانا فضل حق نے مولانا جلال الدین رام پوری کا اس طرح تعارف کرایا ہے:(۲۰)

''مولوی صاحب مشفق الطاف فرما مولوی جلال الدین صاحب کہ از اجلہ علمائے ایں دیار و از دوستانِ مخلصین ایں مخلص خاکسار''۔

اور اپنے شاگرد رشید مولوی نورالحسن کاندھلوی کو لکھا ہے کہ مولانا جلال الدین آگرہ آ رہے ہیں، ان کے کام میں کوشش کر کے میرے اوپر احسان کریں۔

مولانا فضل حق خیرآبادی نے ''ہدیۂ سعیدیہ'' میں نواب محمد سعید خاں اور نواب محمد یوسف علی خاں کا ذکر کرتے ہوئے اس کتاب کو یوں معنون کیا ہے:(۲۱)

''وبعد فہذہ جملۃ جمیلۃ فی الحکمۃ الطبعیہ یزری بزہو ہا بانوار العربیعہ، نطقت بہا ارتجالا و نمقتہا استعجالا وخدمت بہا حضرۃ من خصہ اللہ من عموم الامم، بالفضل العمم، نعمہم بعمیم الکرم، صاحب السیف والقلم، مروج الحکم والحکم، وہاب النعم والنعم کاشف الھموم بعید الھمم، مرالباس حلوالشیم، مجلی العظلم، سعید الجد والعلم، کاشف الفیر والضر، ناشرالدر والدر، محمد سعید خاں بہادر، لازالت ایام دولۃ ابدیہ والاقطار بقطار جودہ ندیہ، وحضرۃ نجلہ الرشید السعید بن السعید العمید المعیدالمجید المجی ذی الجود والتقریب والعزم البعید والرای السدید والبطش الشدید والعدۃ والحدید والکرم المدید والجد القدیم والجدید والخلق الملیح والخلق الحلو والاباء المر محمد یوسف علی خاں بہادر لاز الت سدتہ السنیہ۔''

(اما بعد یہ کتاب حکمت طبعیہ میں ایک خوب صورت متن ہے جس سے شگوفہ ہائے بہار کا سماں سامنے آ جاتا ہے۔ اسے میں نے قلم برداشتہ اور عجلت میں لکھا ہے اور یہ میں نے اس ذات گرامی کو نذر کیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام اقوام میں سے اپنے فضل عام سے مخصوص فرمایا ہے اور کرم عام سے سرفراز کیا ہے۔ صاحب سیف و قلم، احکام اور حکمتوں کے رائج کرنے والے، نعمتوں کے بخشنے والے، غموں کے دور کرنے والے، بلند ہمت، نبردآزما، خوش اخلاق، تاریکیوں اور مظالم کے دور کرنے والے، نام اور تقدیر کے اعتبار سے سعید، سختیوں اور مصیبتوں کے دور کرنے والے، موتی اور حسن عمل لٹانے والے محمد سعید خاں بہادر، اللہ تعالیٰ ان کے عہد حکومت کو ہمیشہ برقرار رکھے اور ان کے باران سخاوت کے تسلسل کو باقی رکھے اور ان کے فرزند رشید و سعید، سردار، طاقت والے، بزرگ، صاحب ایجاد، صاحب سخاوت، صاحب عزم، صاحب رائے، صائب اور سخت پکڑ والے، کثیر ساز و سامان والے، کرم بے نہایت والے، ہمیشہ سے عظمت والے، اچھے اخلاق کے مالک، شیریں اخلاق والے، کڑواہٹ کو ناپسند کرنے والے، محمد یوسف علی خان

بہادر۔اللہ تعالیٰ ان کے آستانہ کو باقی رکھے۔''

''ہدیہ سعیدیہ'' میں سب سے پہلے حکمت کی تعریف اور درجہ بندی کی گئی ہے۔ حکمۃ کے معنی ہیں ''اشیاء کی اصل حقیقت کا علم حاصل کرنا جہاں تک کہ وہ انسان کے لئے ممکن الحصول ہے اور ان افعال کو انجام دینا جو مکمل انسان بننے میں مدد دیتے ہیں''۔ اشیاء کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ حکمۃ العملیہ جو ہمارے اختیار میں ہے یعنی ہمارے اعمال اور حکمۃ العملیہ کی تین ذیلی تقسیمیں ہیں:[۲۲] (۱) تہذیب اخلاق، (۲) تدبیر المنزل، (۳) سیاسۃ المدنیہ

۲۔ جو چیزیں انسان کے اختیار میں نہیں ہیں، ان سے متعلق علم کو حکمۃ النظریہ کہتے ہیں اور اس کی بھی تین ذیلی تقسیمیں کی گئی ہیں: (۱) علم الالٰہی، (۲) علم الریاضی، (۳) علم الطبعی

اور علم الطبعی کو مزید آٹھ شاخوں میں تقسیم کیا گیا ہے: (۱) علم السماء الطبعی، (۲) علم السماء والعالم، (۳) علم الکون والفساد، (۴) علم الفعل والانفعال، (۵) علم الآثار العلویہ، (۶) علم النفس، (۷) علم النبات، (۸) علم الحیوان۔

یہ کتاب ایک مقدمہ اور تین حصوں پر مشتمل ہے جن کا نام فنون رکھا گیا ہے، مقدمہ میں فاضل مصنف نے طبعیات کے ان مسائل پر بحث کی ہے جو دراصل فلسفہ کے اعلیٰ تر مباحث سے تعلق رکھتے ہیں۔

پہلا حصہ متعدد ذیلی شاخوں پر منقسم ہے اور ان میں ان خصوصیات اور واردات پر بحث کی گئی ہے جو تمام اجسام کا لوازمہ ہیں خواہ وہ سماوی ہوں یا ارضی۔

دوسرا حصہ بھی کئی ذیلی شاخوں پر تقسیم کیا گیا ہے اور یہ اجسام سماوی سے متعلق ہے اس لئے اس کا عنوان ''الفلکیات'' رکھا گیا ہے۔[۲۳]

تیسرا حصہ عنصریات یعنی مادی عالم سے متعلق ہے اور اس موضوع میں طبعیات کی باقی ماندہ شاخیں شامل ہیں۔ یہ حصہ بھی کئی ذیلی شاخوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا ذیلی حصہ تخلیق اور تخریب سے متعلق ہے۔

فاضل مصنف کا نظریہ یہ ہے کہ زمین حرکت نہیں کرتی بلکہ ساکن ہے جیسا کہ قدیم فلاسفہ کا ایک گروہ تصور کرتا تھا۔[۲۴]

اس کے بعد مصنف نے چاروں عناصر کی باہم تبدیل پذیری اور باہمی تحلیل پر بحث کی ہے اور

چاروں عناصر کے توازن کو اس جسد کا مزاج کہا گیا ہے۔ پھر دھواں بخارات، ابر، بارش، اولے، گرج، بجلی، شہاب ثاقب، قوس قزح، ہالہ اور آندھی وغیرہ پر بحث کی ہے۔[۲۵] ان مباحث کے بعد معدنیات[۲۶] کی بحث ہے اور پھر نباتیات[۲۷] اور حیوانیات[۲۸] کا بیان ہے۔ آخر میں نفسیات پر بحث ہے۔[۲۹] اور اس کے بعد کتاب ختم ہو جاتی ہے۔[۳۰]

مولانا فضل حق کے نامور فرزند مولانا عبدالحق نے ''ہدیہ سعیدیہ'' کا تکملہ ہدیۃ الہدیہ اور شاگرد رشید مولوی عبداللہ بلگرامی نے ''التحفہ العلیہ'' کے نام سے اس کا حاشیہ لکھا۔ مفتی سعد اللہ مراد آبادی (ف ۱۸۷۷ء/۱۲۹۴ھ) نے ''ہدیہ سعیدیہ'' پر بعض اعتراض کئے تھے۔ مولوی سلطان حسن خاں بریلوی نے ان اعتراضوں کے جواب میں ایک رسالہ لکھا جو اسی زمانے میں چھپ بھی گیا تھا۔ ''ہدیہ سعیدیہ'' مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۲۸ھ کے آخر میں (ص ۲۴ تا ۴۸) یہ رسالہ شامل ہے۔[۳۱] مفتی سعداللہ کے داماد مولوی حکیم مظہر علی (ف ۱۸۸۱ء/۱۲۹۸ھ) نے بھی ''ہدیہ سعیدیہ'' پر کچھ اعتراض کئے تھے۔[۳۲]

برصغیر ہند و پاکستان کے اکثر عربی مدارس میں ''ہدیہ سعیدیہ'' شامل نصاب رہا ہے۔ مولوی عبدالشاہد خاں شروانی نے ''ہدیہ سعیدیہ'' کی تقریب تالیف کے بارے میں لکھا ہے:[۳۳]

> ''خلف الرشید مولانا عبدالحق کو ریذیڈنسی آتے جاتے وقت ہاتھی یا پالکی میں جو سبق دیئے جاتے تھے ہدیہ سعیدیہ انہی کا مجموعہ ہے۔ علامہ (فضل حق) روز ایک سبق تحریر فرما لیتے تھے، وہی راستے میں صاحبزادے کو پڑھا دیتے تھے۔ فلکیات تک یہی سلسلہ رہا جب معتدبہ حصہ ہوگیا تو تلامذہ نے کتابی شکل دینے پر اصرار کیا۔ علامہ نے طلبہ کی آرزوؤں کو پامال نہ کرتے ہوئے تصنیفی حیثیت سے قلم اٹھایا--- سعادت مند فرزند کی مناسبت ہی سے ہدیہ سعیدیہ نام بھی رکھا گیا ہے، نواب محمد سعید خاں والی رام پور کے نام کا لحاظ بھی ضمناً پیش نظر تھا۔''[۳۴]

عبدالشاہد خاں شروانی نے اپنے اس بیان کی تائید میں کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ کتاب کے فاضل مؤلف مولانا فضل حق نے بالصراحت نواب محمد سعید خاں اور نواب محمد یوسف علی خاں کے نام پر کتاب کو معنون کیا ہے۔ اس کے تکملہ نگار مولانا عبدالحق اور اس کے مرتب و محشی مولوی عبداللہ بلگرامی اور مؤید مولوی سلطان حسن خاں بریلوی کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ یہ سراسر مولوی عبدالشاہد خاں کی من گھڑت کہانی ہے کیوں کہ مولانا عبدالحق ۱۸۳۰ء/۱۲۴۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۳۱ء/۱۲۴۵ھ ہمیں

مولانا فضل حق ریذیڈنسی کی ملازمت سے مستعفی ہوئے لہذا ملازمت سے علیحدگی کے وقت مولانا عبدالحق کی عمر بمشکل سال سوا سال ہوگی۔ لہذا یہ کہانی تمام تر بے بنیاد ہے۔ مندرجہ بالا سطور لکھتے وقت مولوی عبدالشاہد خاں ہدیہ سعیدیہ کی ابتدائی چند سطریں ملاحظہ فرما لیتے تو ایسی بات نہ لکھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولوی عبدالشاہد خاں شروانی نے ''باغی ہندوستان'' میں اکثر ایسی بے بنیاد باتیں لکھ دی ہیں، ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے۔

شاہ غوث علی قلندر پانی پتی (ف ۱۸۸۰ء) مولانا فضل امام خیرآبادی کے شاگرد اور سیاح معروف تھے۔ جس زمانے میں مولانا فضل حق کا رام پور میں قیام تھا تو شاہ غوث علی گھومتے گھامتے وہاں پہنچے۔ مولانا نے شاہ صاحب کو اپنا مہمان رکھا۔ شاہ غوث علی کا بیان ہے:(۳۵)

> ''جب ہم دوبارہ رام پور میں گئے تو سرائے میں ٹھہرے۔ مولوی فضل حق صاحب سے ملاقات ہوئی۔ نہایت محبت و عنایت سے پیش آئے اور اپنے نوکر سے کہا کہ جاؤ آپ کا اسباب اٹھا لاؤ۔ میں نے کہا کہ حضرت برائے خدا مجھے وہیں رہنے دیجئے کہ بہت آرام سے ہوں۔ کہا اچھا جہاں آپ خوش رہیں لیکن بھٹیاری کو کہلا بھیجا کہ ان کے خرچ کا حساب ہمارے ذمے ہے۔ اگر پانچ روپیہ روز بھی اٹھیں تو کچھ مضائقہ نہیں ہم دیں گے لیکن یہ شرط ہے کہ میاں صاحب بلااجازت ہمارے کہیں چلے نہ جائیں--- غرض ہم رام پور میں مہینہ بھر تک مولوی صاحب کے مہمان رہے۔''

شاہ غوث علی قلندر نے مولانا فضل حق خیرآبادی کی زندگی کے کئی دلچسپ واقعات بھی نقل کئے ہیں۔(۳۶)

شاید یہاں یہ ذکر بھی بے محل نہ ہو کہ قیام رام پور کے زمانے میں مولانا فضل حق خیرآبادی قصبہ آنولہ سے ہوتے ہوئے بدایوں گئے تھے۔ آنولہ میں حکیم سعادت علی خاں مدارالمہام رام پور (ف۱۸۶۶ء/۱۲۸۳ھ) کے یہاں قیام رہا تھا۔(۳۷) بدایوں میں مولانا فضل حق خیرآبادی کی آمد کے متعلق مئولف ''اکمل التاریخ'' لکھتے ہیں:(۳۸)

> ''حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہ (مولانا فضل رسول بدایونی) سے آپ (مولانا فضل حق خیرآبادی) کو نہایت خلوص و عقیدت تھی۔ ایک زمانے میں بدایوں بھی تشریف لائے تھے۔ اکثر اوراد و اشغال کی اجازتیں حاصل کی تھیں۔ مدرسۂ عالیہ قادریہ میں مقیم رہے تھے۔''

مولانا فضل حق ملازمت کی اہم ذمہ داریوں کے ساتھ درس و تدریس میں برابر مشغول رہتے تھے اور مصروفیت کے باوجود اس کام سے کبھی آزردہ خاطر نہیں ہوتے تھے۔ نواب رام پور کے صاحبزدگان و اعزہ کے علاوہ بہت سے عام طلبہ بھی مولانا خیرآبادی سے باقاعدہ تحصیل علم کرتے تھے۔ ان کے بعض اعزہ کے بچے بھی وطن سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے رام پور آگئے تھے۔ مولانا لکھتے ہیں:(۳۹)

''برخوردار عبدالحق و دیگر طلبہ از اعزہ دیار ہمراہ اند''

ولی عہد نواب یوسف علی خاں نے ایک مرتبہ ان طلبہ کی دعوت کی۔ اس سے ان کی معارف پروری، علم دوستی اور طلبہ نوازی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا فضل حق ایک خط میں اپنی تدریسی مصروفیات کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:(۴۰)

''تعلیم اطفال یعنی دو سبق برخوردار عبدالحق و برادرم و دو سبق برخوردار نورالحسن و یک سبق برخوردار ظہور الحسن خاں کہ ایں ہر دو نواسہ اخوی صاحب قبلہ سید برکت علی خاں مرحوم اندو برائے کسب علم دریں جا آمدہ اندو دو سبق برخوردار سید ضامن حسین فرزند اعزی تفضل حسین و دو سبق فرزند مولوی احمد حسن و یک سبق فیض الحسن سہارن پوری علاوہ است امروز کہ جمعہ است بہزار تکلف فرصت نوشتن ایں چند سطور یافتہ ام۔ تعلیم مبتدیاں فرصت می خواہد، خداداند کہ کار ایں مبتدیاں چہ انجامد، از حال انقباض خاطر چہ شرح دہم بہرحال شکر الٰہی است۔''

''بچوں کی تعلیم یعنی برخوردار ولد عبدالحق اور اپنے بھائی کے لئے دو سبق، دو سبق برخوردار نورالحسن خاں کے لئے اور ایک سبق برخوردار ظہورالحسن خاں کے لئے رکھا ہے کہ یہ دونوں بھائی صاحب قبلہ سیّد برکت علی خاں مرحوم کے نواسے ہیں اور یہاں (رام پور) علم حاصل کرنے آئے ہیں اور دو سبق برخوردار سیّد ضامن حسین صاحب فرزند تفضل حسین اور دو سبق فرزند مولوی احمد حسن اور ایک سبق فیض الحسن سہارن پوری کا ان کے علاوہ ہے۔ آج جمعہ کا دن ہے۔ بڑی دشواریوں سے مجھے یہ چند سطریں لکھنے کی فرصت ملی ہے۔ مبتدیوں کی تعلیم فرصت چاہتی ہے۔ خدا جانتا ہے کہ ان مبتدیوں کا کیا انجام ہوگا۔ اپنی پریشانی خاطر کا کیا بیان کروں۔ بہرحال اللہ کا شکر ہے۔''

مولوی عبدالحق اور اعظم حسین صاحب کی تعلیمی کیفیت کے متعلق لکھتے ہیں:(۴۱)

''(ہردو) از خواندن ہدایہ و مسلم و مطول فارغ شدند کشاف شروع کردہ اند۔''

(ہدایہ و مسلم اور مطول ختم کر چکے ہیں اور تفسیر کشاف شروع کر دی ہے۔''

اس سلسلہ میں مزید لکھتے ہیں:(۴۲)

''برخوردار عبدالحق و برادریم اعظم حسین آداب بجامی آرند از شرح تجرید و حواشی آں فارغ شدہ حاشیہ زاہدیہ امور عامہ مع حاشیہ مولانا شروع کردہ اند از عضدی مبحث استثنامی خوانند۔''

(برخوردار عبدالحق و برادرم اعظم حسین آداب بجا لاتے ہیں۔ شرح تجرید اور اس کے حواشی پڑھ چکے ہیں۔ حاشیہ زاہدیہ امور عامہ مع حاشیہ مولانا شروع کر دیا ہے۔ عضدی سے مبحث استثنا پڑھتے ہیں۔''

ملا نواب رام پور کو شفا کا سبق دیتے ہیں:(۴۳)

''بسبب کثرت محن و شاقی ایں سرکار کہ عبارت از آشوب بے انتظامی است، شغل علمی ندارد یک سبق الٰہیات شفا بملا نواب نامی کہ علمائے ایں جا کہ سطحی و نافہم اند، از سبق دادن شاں عاجز آمدند، بضرورت می دہد، برخوردار عبدالحق ہیچ نمی خوانند، دو چار سبق می دہند و کار کچہری می آموزند۔''

(اس سرکار (رام پور) میں محنت و مشقت کی زیادتی کی وجہ سے کہ اس سے بے نظمی کی پریشانی مراد ہے، علمی کام نہیں ہے۔ ضرورت کے تحت ملا نواب کو الہیاتِ شفا کا درس دیا جاتا ہے کہ یہاں کے علماء سطحی اور نافہم ہونے کی وجہ سے ان کو سبق دینے سے قاصر ہیں۔ برخوردار عبدالحق کچھ نہیں پڑھتے ہیں۔ دو چار سبق دیتے ہیں اور کچہری کا کام سیکھتے ہیں۔''

آخر میں ہم مولانا فضل حق خیرآبادی کے ان تلامذہ کی ایک فہرست پیش کرتے ہیں کہ جنہوں نے رام پور میں مولانا سے تحصیل علوم کی:-

۱۔ نورالحسن خاں

۲۔ ظہور الحسن خاں

۳۔ سیّد ضامن حسین

۴۔ فرزند مولوی احمد حسن

۵۔ مولوی فیض الحسن سہارن پوری
۶۔ شمس العلماء مولانا عبدالحق خیر آبادی (ف ۱۳۱۶ھ)
۷۔ نواب محمد یوسف علی خاں ابن نواب محمد سعید خاں (ف ۱۲۸۱ء)
۸۔ نواب محمد کلب علی خاں ابن نواب محمد یوسف علی خاں (ف ۱۸۷۷ء)
۹۔ صاحبزادہ فدا علی کاظم علی خاں ابن نواب محمد سعید خاں (ف ۱۲۹۹ھ)
۱۰۔ صاحبزادہ فدا علی خاں ابن محمد کاظم علی خاں
۱۱۔ مولوی ہدایت اللہ خاں ولد رفیع اللہ خاں رام پوری (ف ۱۹۰۸ء/۱۳۲۶ھ)، ص: ۴۵۲۔[۴۴]
۱۲۔ ملا نواب ولد سعد اللہ خاں رام پوری (ف ۱۸۹۱ء/۱۳۰۹ھ)، ص ص: ۴۲۲-۴۲۴
۱۳۔ مولوی موسیٰ خاں ولد احمد خاں رام پوری (ف غالباً ۱۳۳۳ھ)، ص: ۴۰۴
۱۴۔ مولوی حکیم محمد فیاض خاں ولد مولوی بشارت اللہ خاں رام پوری، (ف۱۲۷۲ھ)، ص: ۴۶۷
۱۵۔ مولوی عبدالعلی خاں ریاضی دان ولد یوسف خاں رام پوری ف ۱۳۰۳ھ)، ص: ۲۲۸
۱۶۔ مولوی نورالنبی ولد مولوی محمد اسحاق مدرس مدرسہ علایہ رام پور (ف ۱۲۸۷ھ)، ص ص: ۲۲۸، ۴۳۵
۱۷۔ مولوی عبدالعزیز خاں ولد حاجی جرہ باز خاں مدرس مدرسہ عالیہ رام پور، ص ص: ۲۲۳، ۲۲۴
۱۸۔ مولوی سلطان حسن خاں ولد مولوی احمد حسن خاں صدر الصدور بریلوی (ف ۱۲۹۹ھ)
۱۹۔ مولوی ہدایت علی بریلوی مدرس اوّل مدرسہ عالیہ رام پور، (ف ۱۳۲۲ھ)
۲۰۔ مولوی حکیم الٰہی بخش قادری ولد اشرف الحکماء حکیم عظیم اللہ قادری ساکن قصبہ آنولہ (ف ۱۹۰۳ء)۔[۴۵]
۲۱۔ مولوی احمد حسن مراد آبادی محشی شفائے قاضی عیاض (ف ۱۸۷۱ء/۱۲۸۸ھ)۔[۴۶]
۲۲۔ مولوی حکیم محمد حسن ولد شیخ کرامت علی امروہوی (ف ۱۳۲۳ھ)۔[۴۷]
۲۳۔ مولوی عبدالعزیز سنبھلی (۱۲۷۷ھ تک حیات تھے)، ص:۲۲۴
۲۴۔ مولوی عبدالرشید غازی پوری (بروایت امیر شاہد خاں خور جوی، ارواح ثلاثہ)، ص:۳۷۵۔[۴۸]
۲۵۔ مولوی حکیم مرتضیٰ (ف۱۹۰۶ء)، ص:۳۸۴، والی اودھ واجد علی شاہ کے تخت نشین ہونے پر مولانا فضل حق خیرآبادی لکھنؤ تشریف لے گئے۔

# (بارِ دوم)

لکھنؤ سے ملازمت ختم ہونے کے بعد مولانا فضل حق اپنے فرزند مولانا عبدالحق کے ہمراہ ولی عہد بہادر (نواب یوسف علی خاں) کی تحریک پر ایک بار پھر رام پور آئے۔ ان کی تنخواہ ڈھائی سو روپیہ ماہانہ قرار پائی۔ مولوی عبدالحق کو تحصیل داری کا عہدہ ملا اور ان کا مشاہرہ سو روپیہ مقرر ہوا۔ چنانچہ مولانا اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:(۴۹)

''حال اجمال من ایں است کہ از صدر الصدوری لکھنؤ برخاستہ حسب الطلب ولی عہد ریاست رام پور برام پور رسیدہ بمشاہرہ دو صد و پنجاہ روپیہ نوکر شدم۔ خدمتے تفویض من نیست مگر کارہا از من گیرند۔ الحال برخوردار مولوی عبدالحق رابمشاہرہ یک صد روپیہ بعہدہ تحصیل داری ملازم داشتہ، اورا برائے کار سترگ بشملہ و کسولی فرستادہ بودند بفضل آں کار از دست او بخوبی سرانجام یافت''

(میرا مختصر حال یہ ہے کہ لکھنؤ کی صدر الصدوری سے علیحدہ ہو کر ریاست رام پور کے ولی عہد کے حسب طلب رام پور پہنچا اور دو سو پچاس روپیہ ماہانہ پر میں نوکر ہوا۔ کوئی خاص کام میرے سپرد نہیں کیا گیا بلکہ مجھ سے مختلف قسم کا کام لیتے ہیں۔ فی الحال مولوی عبدالحق سو روپیہ ماہوار پر تحصیل داری کے عہدہ پر ملازم ہو گئے ہیں۔ انہیں (کسی) بڑے کام کے لئے شملہ اور کسولی بھیجا تھا۔ اللہ کے فضل سے وہ کام ان کے ذریعے بخوبی سرانجام پایا۔''

نواب رام پور، مولانا فضل حق کے ذریعہ دہلی سے کتابیں بھی منگواتے تھے۔ مولانا لکھتے ہیں:(۵۰)

''بحکم جناب نواب صاحب بہادر برائے خرید کتابے بدہلی رفتہ بملاقات دوستاں کہ بغایت محبت و اخلاق کریمانہ پیش آمدند، سرور و دفور اندوخت، از جہت دستیاب نشدن کتاب مطلوب مراجعت نمودہ درعشرہ اولیٰ از ربیع الثانی دریں جا رسید بفضل الٰہی دریں جا خیر یتہا است اسباق بکثرت اند۔''

(نواب صاحب بہادر کے حکم سے ایک کتاب خریدنے کے لئے میں دہلی گیا۔ دوستوں کی ملاقات سے کہ جو نہایت محبت و اخلاق سے پیش آئے، بہت خوشی ہوئی۔ مطلوبہ کتاب نہ

ملنے کی وجہ سے ربیع الثانی کے پہلے عشرہ میں یہاں (رام پور) واپس آ گیا۔ اللہ کے فضل سے یہاں سب خیریت ہے۔ اسباق کی کثرت ہے۔''

اس مرتبہ رام پور میں مولانا فضل حق کی تنخواہ بھی کم تھی اور کوئی اعلیٰ منصب بھی نہیں تھا۔ لکھنؤ کا معاملہ الجھا ہوا تھا۔ لہذا مولانا رام پور سے رخصت لے کر لکھنؤ پہنچے اور وہاں معاملات کے درست کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ رام پور کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں:(۵۱)

''از ماندن رام پور کراہت دارم نواب صاحب رئیس آنجا رنگے دیگر برآوردہ اند از ہر یک تحصیل دار ضمانت پنج ہزاری می طلبند و می گیرند برخوردار مولوی عبدالحق برعہدہ تحصیل داری مامور اندبہم رسیدن ضمانت پنج ہزار روپیہ در رام پور برائے برخوردار متعذر است گویا طلب ضمانت جملہ عزل است او سبحانہ رزاق علی الاطلاق است درے دیگر خواہد کشود''۔

(رام پور رہنے کو میں پسند نہیں کرتا ہوں۔ وہاں کے نواب صاحب کا اب رنگ ہی دوسرا ہے۔ ہر ایک تحصیل دار سے پانچ ہزار کی ضمانت طلب کرتے ہیں اور لیتے ہیں برخوردار مولوی عبدالحق صاحب تحصیل داری کے عہدہ پر مامور ہیں۔ رام پور میں پانچ ہزار روپیہ ان کے لئے بہم پہنچانا مشکل ہے گویا ضمانت کی طلبی ملازمت سے علیحدگی ہے۔ اللہ تعالیٰ رزاق مطلق ہے کوئی اور دروازہ کھول دے گا۔''

اجازت لینے کے بارے میں مولانا خیرآبادی وضاحت سے لکھتے ہیں:(۵۲)

''علاقہ رام پور درحقیقت برہم شدہ است و ازیں جا است کہ ایں رخصت موقت بمیعادی نیست خاص کہ در صورت بہم نرسیدن روزی در لکھنؤ و نواح آں عزم الور مصمم دارد۔''

(حقیقت میں رام پور کا نظام اب درہم برہم ہو چکا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ اجازت ایک خاص مدت کے لئے نہیں خاص طور پر جب کہ لکھنؤ اور اس کے نواح میں روزگار کی کوئی صورت نہ ہو۔ الور کا ارادہ پکا ہے۔''

یہ رخصت لینے کے بعد مولانا خیرآبادی نے دوبارہ لکھنو میں روزگار بہم پہنچانے کی کوشش کی۔ لکھنؤ میں مذہبی غلو ہونے کے باوجود وہاں جانا ضرور سمجھتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:(۵۳)

''عالم رفض درآنجا از حد گزشتہ است۔ روافض آنجا عداوتے کہ بامن دارند بدیگر ندارند۔ نواب وزیر در غیب من می فرمایند کہ سنیاں ایں جا سنی اندوفلانی سنا است مگر اتماما للحجہ یک باردیگر رفتنم در لکھنؤ ضرور است''۔

(رافضیوں کی حالت وہاں حد سے گزر چکی ہے۔ وہاں کے روافض میرے ساتھ ایسی عداوت رکھتے ہیں کہ کسی دوسرے سے نہیں رکھتے ہیں۔ نواب وزیر میری غیرموجودگی میں فرماتے ہیں کہ یہاں (لکھنو) کے سنی تو سنی ہیں مگر فلاں (مولانا فضل حق) تو سنا ہے، مگر اتمام حجت کے لئے مجھے ایک بار تو لکھنؤ ضرور جانا ہے۔"

لکھنؤ میں کامیاب نہ ہونے کی صورت میں الور کا مصمم ارادہ کیا۔ برسات کے موسم کی وجہ سے التوا رکھا۔ لکھنؤ میں بدانتظامی اور مذہبی غلو بہت تھا۔ مولانا لکھتے ہیں:(۵۴)

"بعد ازاں بہ لکھنؤ رسیدہ بملاقات دوستاں و آشنایاں واعیان وارکان ایں جا و نواب وزیر سرور موفور اندوخت۔ فی الحال دریں جا متوقف است چندے لیل و نہار ایں جادیدہ--- خاص کہ در صورت بہم نرسیدن روزی در لکھنؤ و نواح آں عزم الور مصمم دارد فی الحال کہ موسم برشگال است۔ ایں سفر دور و دراز کردن نمی تواند دریں جا آشوب بےنظم است و غلو در رفض از حد گزشتہ است"۔

(اس کے بعد لکھنؤ پہنچا دوستوں، ملنے والوں اور یہاں کے اعیان و ارکان (دولت) اور نواب وزیر سے مل کر خوش ہوا۔ فی الحال یہاں ٹھہرا ہوا ہوں۔ کچھ دنوں یہاں کے حالات دیکھتے ہیں--- خاص طور سے اگر لکھنؤ اور اس کے نواح میں روزگار نہ ملا تو الور کا پکا ارادہ ہے۔ آج کل برسات کا موسم ہے۔ اتنے دور و دراز کا سفر نہیں ہو سکتا اور یہاں بدانتظامی ہے اور رافضیوں میں غلو حد سے گزر چکا ہے۔"

مولانا اپنے مقصد کے لئے ارکان دولت اور نواب وزیر سے ملے مگر کوئی بات بنتی نظر نہ آئی، لکھتے ہیں:(۵۵)

"حال بندہ ایں است کہ دریں جابہ اعزہ و ارکان سلطنت ملاقاتہا و اکثر حاضر باش دربار نواب وزیر ماندہ، براں اثرے بجز اعزاز ظاہری مرتب نشدہ است چوں ماہ محرم رسید--- بندہ ناچار از نواب وزیر رخصت خیرآباد خواستہ ایں وقت روانہ خیرآباد می شود۔ دو از دہم محرم در آنجا خواہم ماند بعد ازاں بہ لکھنؤ معاودت خواہم کرد"۔

"بندہ کا حال یہ ہے کہ یہاں (لکھنؤ) اعیان و ارکان سلطنت سے ملاقاتیں رہیں۔ نواب وزیر کے دربار میں اکثر حاضر رہا۔ ظاہری اعزاز کے سوا اس پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوا چونکہ ماہ محرم آ گیا--- بندہ نے مجبوراً نواب وزیر سے خیرآباد کی اجازت چاہی اور اب خیرآباد جا رہا ہوں۔ بارہ محرم تک وہاں رہوں گا اور اس کے بعد لکھنؤ واپس آؤں گا۔"

مولانا خیرآبادی تین ماہ تک برابر نواب وزیر کے دربار میں آتے جاتے رہے مگر لاحاصل۔

''بندہ از سہ ماہ درشہر لکھنؤ کہ نمونہ آشوب قیامت است وارد شدہ با وزیر و دیگر ارکان دولت ملاقات کردہ در دربار وزیر آمد و رفت دارد ظاہر امید روزگار از مسبب الاسباب است و بس۔''(۵۶)

(بندہ تین ماہ سے لکھنؤ میں ہے اور یہاں آشوب قیامت کا نمونہ ہے۔ وزیر اور دوسرے ارکانِ دولت سے ملاقات کی۔ وزیر کے دربار میں آنا جانا رہا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزگاری کی اُمید ہے اور بس۔''

اسی زمانہ میں ہنومان گڑھی(۵۷) کا واقعہ پیش آیا جو واجد علی شاہ کے عہد کا ایک حادثہ ہے۔ اجودھیا میں بابر عہد کی ایک مسجد اور چند دوسری مساجد تھیں۔ ساتھ ہی ہنومان گڑھی کے نام سے ہندوؤں کا ایک استھان اور مندر تھا۔ مسلمانوں کی قلت تعداد کی وجہ سے ہندو ہمیشہ ان مساجد کی بے حرمتی کرتے تھے۔ واجد علی شاہ کے زمانے میں ہندو تعلقہ داروں کی شہ پر گڑھی کے مہنت اور بھی خودسر ہوگئے۔ انہوں نے مسجد کے ایک حصہ کو نقصان پہنچایا۔ اذان دینے کی مخالفت کر دی اور مسجد کی بے حرمتی کی۔ جولائی ۱۸۵۵ء میں شاہ غلام حسین اور مولوی محمد صالح اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر ایک جماعت لے کر ہنومان گڑھی پہنچے۔ بیراگیوں نے انہیں گھیر لیا۔ حکومت کے بعض افسر بھی رشوت لے کر ان سے مل گئے۔ بیراگیوں سے مقابلہ ہوا۔ ۲۶۹ مسلمان مسجد میں ذبح کر دیئے گئے۔ قرآن کریم کو پیروں سے روندا گیا۔ جوتے پہن کر مسجد میں سنکھ بجایا گیا۔ یہ سب کچھ واجد علی شاہ کی حکومت اور علی نقی خاں کی وزارت میں ہوا۔(۵۸)

اس خونیں حادثہ اورناموس اسلام کی ہتک پر مولوی شاہ امیر علی جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کی تقریروں نے مسلمانوں میں آگ لگا دی اور ہیجان برپا ہوگیا۔ رام پور، بریلی، پیلی بھیت اضلاع روہیل کھنڈ سے مجاہدین پہنچنے لگے۔ واجد علی شاہ کی حکومت پریشان ہوگئی۔ وزیر علی نقی کی بری حالت ہوئی۔ امراء و عمائد سمجھانے بجھانے کے لئے دوڑے۔ حکومت کے عمال ہندو تعلقہ داروں سے مل گئے تھے۔ مجتہدین اور علماء نے حکومت کی مدد کی۔ مفتی سعد اللہ مرادآبادی، (۱۲۹۴ھ)، مولوی ابوالحسن فرنگی محلی (ف۱۸۶۶ء/۱۲۸۲ھ)، مولوی حسین احمد ملیح آبادی (ف ۱۸۷۰ء/۱۲۸۶ھ)، مولوی برہان الحق فرنگی (ف۱۲۸۶ھ)، مولوی خادم احمد فرنگی محلی (ف۱۰ ذی الحجہ ۱۸۵۵ء/۱۲۷۱ھ)، مولوی تراب علی (ف ۱۲۸۱ھ) وہ نامور علماء ہیں(۵۹) جنھوں نے حکومت اودھ کے نقطہ نظر کی تائید و توثیق

کی۔ ظاہر ہے اس سے مولوی امیر علی کی تحریک نقصان کو پہنچا۔

مولانا فضل حق اس زمانے میں لکھنؤ میں تین ماہ سے مقیم تھے۔ اس سلسلے میں جو چار ثالث مقرر ہوئے ان میں مولانا خیرآبادی کا نام بھی شامل ہے لیکن اس ثالثی کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ حکیم نجم الغنی خاں رام پوری لکھتے ہیں:(۶۰)

۲۲ محرم ۱۲۷۲ھ کو وکلائے لشکر اسلام و افسران فوج لکھنؤ میں داخل ہوئے۔ نواب احمد علی خاں، مولوی غلام جیلانی، مولوی غلام امام شہید اور مولوی فضل حق آبادی چار ثالث مقرر ہوئے۔ لیکن یہ عجیب ہے کہ ایک دن بھی وکلائے اسلام اور مہنت کی روبکاری روبرو نہ ہوئی''۔

۲۷ محرم ۱۲۷۲ھ کو مولوی امیر علی نے جو منظوم عرض داشت واجد علی شاہ کے حضور میں بھیجی وہ بھی مولوی برہان الحق، مولوی عبدالرزاق فرنگی محلی اور مولوی تراب علی کے ذریعے ارسال کی اس کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔(۶۱) حکیم نجم الغنی خاں رام پوری لکھتے ہیں(۶۲):

''ارکانِ دولت نے اپنے طمع نفسانی سے مولوی صاحب کی عرضداشت منظوم بادشاہ کے ملاحظہ میں نگزرانی، آخرکار کوتاہ اندیشیوں نے دنیا کے طمع سے اپنا کام کیا''۔

مجتہدین لکھنؤ، علمائے فرنگی محل اور دوسرے علماء نے بھی اس طرح فتوے دیئے جس سے حکومت اودھ کے نقطۂ نظر کی تائید ہوتی تھی۔ ان میں بعض تو حکومت اودھ کے براہ راست ملازم تھے۔

ان حالات میں مولوی امیر علی کئی ہزار کی جمعیت کے ہمراہ مہنتوں کی سرکوبی کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ سخت معرکہ ہوا۔ چھ سو سے زیادہ مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ مولوی امیر علی شہید ہوئے۔ واجد علی شاہ کی حکومت، علی نقی خان کی وزارت، مجتہدین لکھنؤ، علمائے فرنگی محل اور مفتی سعداللہ اور ان کے رفقاء کے فتوے(۶۳) اور خالص اسلامی مسئلہ پر مسلمانوں کا قتل عام:

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمین

اور فروری ۱۸۵۶ء کو واجد علی شاہ کی معزولی کا حکم نامہ پہنچا۔ بادشاہ نے دستخط نہیں کئے۔ خارج البلد ہوا۔ نہ بادشاہی رہی نہ وزارت، نہ عملہ نہ فعلہ۔ ''لکھنو شد خراب واویلا'' اس کی تاریخ ہوئی۔(۶۴)

ہنومان گڑھی اور مولوی امیر علی کے سلسلے میں مولانا فضل حق ثالث مقرر ہوئے۔ حکیم نجم الغنی خان نے لکھا ہے کہ انہوں نے مولوی امیر علی کے خلاف فتویٰ بھی دیا تھا مگر اس فتویٰ کو نجم الغنی خان

نے نقل نہیں کیا۔ ان کا ماخذ کاغذات کا ایک مجموعہ (قلمی) ہے جو رام پور کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں:(۶۵)

''میں نے اس کے متعلق جو قلمی کاغذات کا مجموعہ دیکھا ہے اس میں مہنتوں کے بیانات، موضع متنازعہ کا نقشہ--- علی نقی خاں وزیر کے خطوط مجتہد کے نام، مجتہد کے خطوط مولوی امیر علی کے نام اور مولوی صاحب کے جوابات دوسرے اہل کارانِ متعلقہ کی تحریریں علماء کے فتوے سب کچھ موجود نہیں۔ ان میں مجتہد صاحب کی کوئی تحریر مولوی امیر علی کے موافق موجود نہیں بلکہ ان کے کام کے خلاف ہے''۔

مولانا فضل حق نے اپنے ایک مکتوب بنام مولوی نورالحسن کاندھلوی میں مولوی امیر علی کے واقعہ کا سرسری طور پر اس طرح ذکر کیا ہے:(۶۶)

''مکاتبہ بہجت افزا مورخہ ۱۱ صفر بخیرآباد رسیدہ، مرسلہ برخوردار نزد بندہ در لکھنو رسیدہ کاشف حال گردید، چوں دریں جا واقعہ شہادت، مولوی امیر علی صاحب مع پانصد، شش صد مسلمانان کہ بقصد انتقام از ہنود اودھ کہ مسجدے را منہدم کردہ بود و مسلمانان را شہید کردہ، مصاحف مجیدہ را بقاذورات متلطخ کردہ سوختہ بودند، عزم اودھ کردہ بودند و وزیر باقتضائے طینت مانع بودند فوجے گراں مع ہشتاد ضرب توپ برائے مقاومت غازیاں متعین کردہ بودند۔ از دست آں فوج ۲۶ صفر وقوع یافت''۔

(مسرت افزا خط مورخہ ۱۱ صفر خیرآباد پہنچا۔ صاحبزادہ کا بھیجا ہوا خط میرے پاس لکھنو آیا۔ حال معلوم ہوا۔ چونکہ یہاں پر مولوی امیر علی کی شہادت کا واقعہ ہوگیا ہے، ان کے ساتھ پانچ چھ سو مسلمان (شہید ہوئے) جنہوں نے اودھ کے ہندوؤں سے انتقام کا ارادہ کیا تھا کہ انہوں نے ایک مسجد کو ڈھا دیا تھا، مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا۔ قرآن مجید کے نسخوں کو نجاست میں لتھیڑا اور جلایا۔ (مسلمانوں) نے اجودھیا کا ارادہ کیا۔ وزیر اپنی طینت کے مطابق ان کا مانع ہوا اور ایک بڑی فوج مع آٹھ توپوں کے غازیوں کے مقابلے کے لئے مقرر کر دی۔ اس فوج کے ہاتھ سے ۲۶ صفر کو یہ واقعہ ہوا۔

اس واقعہ کے بعد مولانا خیرآبادی وزیر سے جواب لے کر خیرآباد چلے گئے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:(۶۷)

''وزیر را دریں واقعہ بوجوہ تردد است تاحال جواب صاف از وزیر نیافتہ ام مگر در و دوسہ روز جواب صاف گرفتہ روانہ خیرآباد می شوم''۔

(وزیر کو اس بارے میں بعض وجوہ سے تردد ہے۔ ابھی تک وزیر سے مجھے صاف جواب نہیں ملا ہے مگر دو تین دن میں صاف جواب لے کر میں خیرآباد روانہ ہو جاؤں گا)

اور خیرآباد سے ربیع الثانی ۱۲۷۲ھ (دسمبر ۱۸۵۵ء) میں عازم الور ہوئے۔ پھر وہاں سے بھی کچھ عرصہ بعد چلے گئے۔

## حوالہ جات


۱۔ مکاتیب غالب مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی، رام پور ۱۹۴۹ء، ص:ز

۲۔ انتخاب یادگار از منشی امیر احمد مینائی، (تاج المطابع، دہلی)، ص ۲۹۲

۳۔ تذکرہ کاملان رام پور، احمد علی خان شوق، ہمدرد پریس، دہلی، ۱۹۲۹ء، ص: ۴۱۷

۴۔ مولوی نصیرالدین خاں رام پوری کا سال انتقال مؤلف تذکرہ کاملان رام پور نے ۱۲۶۶ھ لکھا ہے۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو مولوی نصیرالدین کا انتقال ۱۲۵۶ھ میں ہونا چاہئے کیونکہ خیرآبادی کی رام پور میں آمد اسی سال ہوئی۔

۵۔ تذکرہ کاملان رام پور، ص:۲۲۸

۶۔ ایضاً، ص ص: ۲۲۳، ۲۲۴

۷۔ وقائع نصیرخانی مترجمہ و مرتبہ محمد ایوب قادری، ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی ۱۹۶۱ء، ص:۳۰

۸۔ اخبارالصنادید از حکیم نجم الغنی رام پوری (جلد دوم)، (نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۱۸ء)، ص ۱۲۴

۹۔ وقائع نصیر خانی، ص: ۳۱

۱۰۔ مولوی سلطان حسن خان بریلوی، مولانا فضل حق خیرآبادی کے شاگرد رشید، صدرالصدور کی حیثیت سے پنشن پائی۔ ۱۲۹۹ھ میں انتقال ہوا۔

۱۱۔ خط نمبر ۱۳، مجموعہ خطوط ۱۷۲ فضل حق خیرآبادی، مرتبہ محمد سلیمان کاندھلوی، مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، کاندھلہ۔

۱۲۔ اخبار الصنادید، جلد دوم، ص:۲۱

۱۳۔ دیوانی اور فوجداری کی دونوں عدالتیں مراد ہیں (اخبارالصنادید، جلد دوم)، ص:۱۷۲

۱۴۔ انتخاب یادگار، ص:۲۹۲

۱۵۔ خط نمبر ......۱۰، محولہ بالا

۱۶۔ خط نمبر ۴۶، محولہ بالا

۱۷۔ تذکرہ کاملان رام پور، ص:۱۲۳

۱۸۔ خط نمبر ۱۸، محولہ بالا

۱۹۔ ماہنامہ ''البلاغ، بمبئی، فروری ۱۹۵۷ء، ص:۲۷

۲۰۔ خط نمبر۱۶، محولہ بالا
۲۱۔ الہدیۃ السعیدیہ از مولانا فضل حق خیرآبادی، مطبع مجتبائی، دہلی، ۱۹۱۰ء/۱۳۲۸ھ، ص ص:۶،۸
۲۲۔ ایضاً، ص:۱۲
۲۳۔ ایضاً، ص:۶۶
۲۴۔ الہدیۃ السعیدیہ از مولانا فضل حق خیرآبادی، مطبع مجتبائی، دہلی، ۱۹۱۰ء/۱۳۲۸ھ، ص:۸۴ ومابعد
۲۵۔ ایضاً، ص:۱۲۴ ومابعد
۲۶۔ ایضاً، ص:۱۳۲
۲۷۔ ایضاً، ص:۱۳۵
۲۸۔ ایضاً، ص:۱۵۵
۲۹۔ ایضاً، ص:۲۱۲
۳۰۔ ملاحظہ ہو عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ از ڈاکٹر زبید احمد و ترجمہ شاہد حسین رزاقی، لاہور، ۱۹۷۳ء)، ص :۱۵۰، ۱۵۶
۳۱۔ یہ رسالہ مولانا فضل حق کی نظر سے گزرا ہے۔ انہوں نے اپنے ایک خط مورخہ ۱۰ ذی قعدہ ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء بنام مفتی سلطان حسن بریلوی میں ذکر کیا ہے اور مولانا فضل حق کا یہ خط (قلمی) صورت میں نیشنل میوزیم آف پاکستان (کراچی) میں محفوظ ہے۔ ہدیہ سعیدیہ کا پہلا ایڈیشن مطبع صدیقی بریلی سے ۱۲۸۳ھ میں شائع ہوا۔
۳۲۔ تذکرہ کاملان رام پور، ص:۳۹۳
۳۳۔ باغی ہندوستان، ص:۱۰۸
۳۴۔ فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون از حکیم محمود احمد برکاتی، برکات اکیڈمی، کراچی، ۱۹۷۵ء، ص:۲۰
۳۵۔ تذکرہ غوثیہ (ملفوظات و روایات و حکایات شاہ غوث علی قلندر) مرتبہ شاہ گل حسن قادری، اللہ والے کی قومی دکان، لاہور، ص:۱۲۴
۳۶۔ ملاحظہ ہو تذکرہ غوثیہ، ص: ۱۲۵، ۲۴۵، ۲۶۰، ۳۷۱
۳۷۔ حکیم معظم علی خاں رئیس آنولہ (ف۱۹۵۳ء) نے مولانا فضل حق خیرآبادی کے آنولہ تشریف لانے کا اکثر ذکر کیا بلکہ حکیم صاحب کے کتب خانے میں مولانا خیرآبادی کے بعض آثار علمیہ بھی محفوظ تھے۔
۳۸۔ اکمل التاریخ، جلد اول از مولوی محمد یعقوب ضیاء القادری بدایونی، قادری پریس بدایوں، ص:۸۹
۳۹۔ خط نمبر ۱۷
۴۰۔ خط نمبر ۱۰
۴۱۔ خط نمبر ۱۷
۴۲۔ خط نمبر ۱۸
۴۳۔ خط نمبر ۱۰

۴۴۔ یہ تمام حوالے ''تذکرہ کاملان رام پور'' کے ہیں۔

۴۵۔ مظہرالعلماء مولفہ مولوی محمد حسین بن سید بخشش علی ساکن سید پور ضلع بدایوں المتوفی ۱۹۱۸ء (خطی مخزونہ مدرسہ قادریہ بدایوں)، ص:۲۶

۴۶۔ اکمل التاریخ جلد اول، ص:۸۹

۴۷۔ تذکرۃ الکرام از مولوی محمود احمد عباسی، جدید برقی پریس دہلی، ۱۹۳۲ء، ص ص ۳۰۲، ۳۰۶

۴۸۔ مولانا فضل حق خیرآبادی کی دونسلوں کا تعلق بھی ریاست رام پور سے رہا۔ شمس العلماء مولانا عبدالحق خیرآبادی نواب محمد کلب علی خاں کے دور میں حاکم مرافعہ اور مدرسہ عالیہ رام پور کے افسر رہے۔ جب نواب حامد علی خاں رئیس بنے تو انہوں نے بھی بلایا اور شرف تلمذ حاصل کیا۔ پھر ان کے بیٹے مولوی اسدالحق مدرسہ عالیہ رام پور کے مدرس اعلیٰ رہے۔ ان کا رام پور میں ۴/اگست ۱۹۰۰ء کو انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ تذکرہ کاملان رام پور ص ص ۳۶، ۳۷

۴۹۔ خط نمبر ۴۴

۵۰۔ خط نمبر ۲

۵۱۔ خط نمبر ۶

۵۲۔ خط نمبر ۲

۵۳۔ خط نمبر ۳۵

۵۴۔ خط نمبر ۲

۵۵۔ خط نمبر ۶

۵۶۔ خط نمبر ۹

۵۷۔ یہ جہاد ہنومان گڑھی اور مولوی امیر علی کے واقعہ کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

۵۸۔ قیصر التواریخ، ص:۱۱۲

۵۹۔ ان علماء کے حالات ''تذکرہ علمائے ہند'' میں مذکور ہیں۔ حروف تہجی کے اعتبار سے ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں نیز دیکھیے ''تذکرہ علمائے فرنگی محل'' (مولوی عنایت اللہ فرنگی محلی) و ''احوال علمائے فرنگی محل'' (شیخ الطاف الرحمٰن قدوائی)۔

۶۰۔ تاریخ اودھ جلد پنجم، ص: ۲۱۷

۶۱۔ حدیقہ شہداء از مرزا جان، مطبع احمدی، مدراس، ۱۳۰۰، ص ص:۳۴ تا ۳۶

۶۲۔ تاریخ اودھ جلد پنجم ص ۲۱۷

۶۳۔ مفتی سعد اللہ کے کردار پر سرسید احمد خاں نے مندرجہ ذیل الفاظ میں تبصرہ کیا ہے: ''(مفتی سعد اللہ صاحب نے) لکھنو میں ایک نیک بخت مسلمان آل رسول ابن علی اولاد نبی (مولوی امیر علی) کے کفر اور قتل کا فتوی دے کر عشرہ محرم میں ان کا سر ہنومان گڑھی سے نیزہ پر چڑھا کر لکھنو میں لانا چاہا تو ہمارا دل ٹھنڈا ہوگیا اور

سمجھے آل رسول کے قتل و کفر پر فتوے دینا ان کا قدیمی پیشہ ہے"۔ (حیات جاوید از الطاف حسین حالی، طبع لاہور، ۱۹۵۷ء، ص:۶۳۱)

۶۴۔ جہاد ہنومان گڑھی (اجودھیا) ۱۸۵۵ء پر ڈاکٹر محمد ایوب قادری نے تفصیل سے لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو "جنگ آزادی ۱۸۵۷ء" از محمد ایوب قادری، پاک اکیڈمی کراچی، ۱۹۷۶ء، ص ص: ۹۲ تا ۱۱۶

۶۵۔ تاریخ اودھ جلد پنجم، ص:۲۲۳

۶۶۔ خط نمبر ۷

۶۷۔ خط نمبر ۷

-----------